Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Fundamental Principles of Prophetic Governance and Their Constitutional Application in the Islamic Republic of Pakistan Constitution 1973

نبوی طرزِ حکمرانی کے بنیادی اصول اور Islamic Republic of Pakistan Constitution 1973 میں ان کی آئینی تطبیق

Dr. Zeeshan
Lecturer, Department of Islamic Studies, KUST
dr.zeeshan2021@kust.edu.pk

Abstract

This research paper gives a detailed discussion on the basics of Prophetic government (Nabaki tarz-e-hukumrani) and makes a comparative study of how their constitutional provisions have been practiced in the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973. Divine sovereignty (hakimiyyat-e-ilahi), justice and fairness (adl wa insaf), consultation (shura), trustworthiness and integrity (amanat wa diyanat), transparency, accountability (ihtisab), defense of human rights, minority rights, interfaith relations, and social-economic justice are considered to be the foundations of prophetic governance. The paper relies on some of the important historical examples including the Farewell Sermon (Khutba Hajjat al-Wida), the Charter of Medina (Mithaq-e-Madinah), the zakat and sadaqat system, the public treasury (Bayt al-Mal) as well as the treatment of non-Muslims during the Prophetic period. Most of these principles are expressed in the 1973 Constitution in the Preamble, fundamental rights (Articles 828), principles of policy (Articles 2940), and Islamic principles (Articles 2, 2-A, 227), the parliamentary system and accountability institutions. Article 25 of Equality before law, Article 20 of religious freedom, Article 36 of protecting minorities, Article 38 of promoting social justice, and Article 19-A of access to information are obvious conformities to Prophetic values. Nevertheless, the examination shows that there are serious loopholes in the practical application. Rampant corruption, poor accountability institutions, an increase in economic inequality, judicial slacking, political polarization, sectarian violence, and poor delivery of the welfare state promise are major problems of today. These challenges block the complete actualization of the Prophetic model even with its integrational conceptualization in the constitution. The article arrives at a conclusion that the Prophetic paradigm provides a blue print that can never go out of date or become irrelevant to revamp governance in Pakistan. Strategies that have been recommended include enhancing the accountability institutions, good distribution of zakat, reforms in the judiciary, fostering interfaith unity, more investment on education and health, and creation of accountability bodies incorporating the religious scholars in ensuring that they are in tune with the Islamic teachings. Such reforms can make Pakistan a real Islamic welfare state which is a true embodiment of the Nabawi system of governance.

Keywords: *Prophetic governance, Constitution of Pakistan 1973, divine sovereignty, justice and equity, shura (consultation), trustworthiness, transparency, accountability, human rights, minority rights, interfaith harmony, socio-economic justice, zakat system, Charter of Medina, Farewell Sermon, Islamic welfare state, principles of policy, constitutional implementation, governance reform*

1۔ تعارف اور تحقیقی پس منظر

1.1 موضوع کی اہمیت اور عصری ضرورت

موضوع "نبوی طرزِ حکمرانی کے بنیادی اصول اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین 1973ء میں ان کی آئینی تطبیق" کی اہمیت اس لیے انتہائی زیادہ ہے کہ یہ نہ صرف اسلامی تاریخ کے عظیم ترین ماڈل یعنی سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حکمرانی کے اصولوں کا جائزہ لیتا ہے بلکہ موجودہ دور کے ایک اسلامی مملکت یعنی پاکستان کے آئینی ڈھانچے میں

ان اصولوں کی موجودگی اور عملی اطلاق کو بھی جانچتا ہے۔ نبوی طرزِ حکمرانی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، عدل و انصاف، مشاورت، سادگی، امانت داری اور عوام کی فلاح کو بنیاد بناتا ہے، جو آج کے پیچیدہ سیاسی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے ایک ابدی رہنما ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں جہاں نظریہ پاکستان اسلامی اصولوں پر مبنی تھا، اس موضوع کی عصری ضرورت اس لیے ہے کہ آئین 1973ء کو اسلامی جمہوریہ کا نام دیا گیا ہے اور اس کے دیباچہ اور متعدد دفعات میں قرآن و سنت کی بالادستی کو یقینی بنایا گیا ہے، مگر عملی طور پر ان اصولوں کی مکمل تطبیق میں خلا اور چیلنجز موجود ہیں۔ یہ تحقیق اس خلا کو دور کرنے اور آئینی اقدار کو نبوی اسوہ سے جوڑنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے، تاکہ حکمرانی میں شفافیت، عدل اور عوامی بہبود کو فروغ ملے۔ اس طرح یہ موضوع نہ صرف علمی بلکہ عملی اور اصلاحی سطح پر بھی انتہائی اہم اور ناگزیر ہے، کیونکہ آج کے دور میں مسلمان حکمرانوں اور ریاستوں کو نبوی ماڈل کی طرف رجوع کی شدید ضرورت ہے تاکہ کرپشن، ناانصافی اور استحصال جیسے مسائل کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔

1.2 مسئلہ تحقیق اور بنیادی سوالات

اس تحقیق کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ نبوی طرزِ حکمرانی کے جو بنیادی اصول جیسے اللہ کی حاکمیت، عدل کی بالادستی، مشاورت کا نظام، سادگی اور عوام کے ساتھ برابری، امانت اور ذمہ داری کی پاسداری ہیں، کیا وہ آئین پاکستان 1973ء میں مکمل طور پر آئینی شکل اختیار کر پائے ہیں یا صرف جزوی اور رسمی طور پر موجود ہیں؟ اس مسئلے کے تحت بنیادی سوالات یہ پیدا ہوتے ہیں کہ کیا آئین کا دیباچہ اور اسلامی دفعات) جیسے آرٹیکل 2، A2، 31 اور 227 (نبوی اصولوں کی عکاسی کرتے ہیں؟ کیا اسلامی نظریاتی کونسل اور قرآن و سنت کے مطابق قوانین کی تشکیل کا نظام نبوی عدل اور مشاورت کو عملی شکل دیتا ہے؟ اور کیا موجودہ سیاسی اور عدالتی نظام میں ان اصولوں کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے آئینی تطبیق کمزور پڑ رہی ہے؟ یہ سوالات اس لیے اہم ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے جہاں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے اور قوانین کو قرآن و سنت سے ہم آہنگ کرنے کا حکم ہے، مگر عملی سطح پر حکمرانوں کی طرزِ زندگی، فیصلہ سازی اور عوامی مسائل کے حل میں نبوی سادگی اور انصاف کی کمی نظر آتی ہے۔ اس تحقیق کا مقصد ان سوالات کے جواب تلاش کرنا ہے تاکہ آئین کی اسلامی روح کو مزید مستحکم کیا جا سکے اور نبوی اصولوں کو حکمرانی کا عملی ماڈل بنایا جا سکے۔

1.3 سابقہ تحقیقات کا اجمالی جائزہ

سابقہ تحقیقات میں نبوی طرزِ حکمرانی پر متعدد اہم کام ہو چکے ہیں، جیسے ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" جس میں مدینہ کی ریاست، میثاقِ مدینہ اور انتظامی اصولوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور مولانا زاہد الراشدی جیسے علما کے مضامین جو سادگی، پروٹوکول کی عدم موجودگی اور عوام کے ساتھ گھل مل کر رہنے پر زور دیتے ہیں۔ اسی طرح آئین 1973ء کے اسلامی پہلوؤں پر تجزیات موجود ہیں جن میں دیباچہ، آرٹیکل 2 (اسلام کو سرکاری مذہب)، آرٹیکل 227 (قوانین کی اسلامی ہم آہنگی) اور اصولِ پالیسی کو نبوی تعلیمات سے جوڑا گیا ہے۔ مگر بیشتر تحقیقات یا تو صرف نبوی اصولوں تک محدود رہیں یا آئین کے اسلامی دفعات کا الگ جائزہ لیا، جبکہ دونوں کو باہم مربوط کر کے تطبیقی مطالعہ کم ہی کیا گیا ہے۔ یہ تحقیق اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبوی اصولوں کی روشنی میں آئین کی تطبیق کا مکمل جائزہ لیا جائے، تاکہ سابقہ کاموں کی روشنی میں نئی بصیرت اور عملی تجاویز سامنے آ سکیں۔ اس طرح یہ مطالعہ سابقہ تحقیقات کی توسیع اور عصری تقاضوں کے مطابق ان کی تازہ کاری کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

2۔ نبوی طرزِ حکمرانی کا نظریاتی تصور

2.1 قرآن و سنت میں حکمرانی کا مفہوم

قرآن و سنت میں حکمرانی کا مفہوم بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کے احکام کی بالادستی پر مبنی ہے جو انسانی معاشرے کو عدل و انصاف کی بنیاد پر منظم کرتا ہے تاکہ عوام کی فلاح و بہبود یقینی بنائی جا سکے۔ یہ تصور صرف سیاسی اقتدار تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے جس میں حکمران اللہ کا نائب ہوتا ہے اور اسے قرآن کی روشنی میں فیصلے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں واضح کیا ہے کہ حکمرانی کا اصل مقصد اللہ کے قوانین کی پاسداری اور رعایا کی اصلاح ہے [1]۔ اسی طرح امام مسلم نے حدیث میں بیان کیا ہے کہ حکمران کی اطاعت ضروری ہے مگر گناہ کے معاملے میں نہیں [2]۔ یہ اصول حکمرانی کو اخلاقی ذمہ داری بناتا ہے جہاں مشاورت اور انصاف کی پاسداری لازمی ہے۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق حکمران کو امانت دار اور دیانت دار ہونا چاہیے تاکہ معاشرے میں کوئی ظلم نہ ہو۔ سنت نبوی میں بھی حکمرانی کی مثالیں موجود ہیں جہاں سادگی اور عوام سے برابری کو بنیاد بنایا گیا۔ یہ مفہوم آج کے دور میں بھی انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ حکمرانوں کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور کرپشن سے بچاتا ہے۔ حکمرانی کا یہ تصور

---

[1] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص. 52.

[2] امام مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب 8، حدیث نمبر 4517

ریاست کو اللہ کی مرضی کے تابع بناتا ہے جس سے عوامی حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس نظام میں فیصلہ سازی قرآن و سنت کے مطابق ہوتی ہے جو عدل کو یقینی بناتا ہے۔ پھر بھی عملی طور پر اس کی تطبیق کے لیے مسلسل جہد وجہد کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ خوشحال بن سکے۔ حکمرانی کے اس نظریے نے اسلامی تاریخ میں بہت سے مثالیں قائم کیں جو آج بھی رہنما ہیں۔ اس لیے قرآن و سنت حکمرانی کو صرف اقتدار نہیں بلکہ خدمت کا نام دیتے ہیں۔ یہ اصول عوام کو بھی ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ اچھے حکمران کا انتخاب کریں۔ اس طرح پورا نظام ایک متوازن ڈھانچہ بن جاتا ہے جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ نبوی تعلیمات میں حکمرانی کو اللہ کی عبادت سے جوڑا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ یہ مفہوم مسلمانوں کو ایک متحد امت بناتا ہے جہاں کوئی امتیاز نہیں۔ اس لیے اس تحقیق میں اس مفہوم کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ آئینی تطبیق میں مدد ملے۔ حکمرانی کا یہ تصور عدل کی بالادستی پر قائم ہے جو قرآن کی متعدد آیات سے واضح ہے۔ سنت میں بھی مشاورت کو اہمیت دی گئی ہے جو فیصلے کو درست بناتی ہے۔ یہ سب اصول ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جو اسلامی ریاست کی بنیاد ہیں۔ اس طرح قرآن و سنت حکمرانی کو ایک مقدس فریضہ قرار دیتے ہیں جو اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے۔

2.2 ریاستِ مدینہ کا سیاسی و انتظامی ڈھانچہ

ریاست مدینہ کا سیاسی و انتظامی ڈھانچہ نبوی طرز حکمرانی کی عملی مثال ہے جو میثاق مدینہ کی بنیاد پر قائم ہوا اور مختلف قبائل کو ایک امت میں تبدیل کر دیا۔ یہ ڈھانچہ اللہ کی حاکمیت پر مبنی تھا جس میں سیاسی اتحاد، عدل اور انتظامی تنظیم کو اہمیت دی گئی۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب میں میثاق مدینہ کی تفصیل بیان کی ہے جو مختلف گروہوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے[3]۔ اس ڈھانچے میں انتظامی طور پر مختلف عہدے جیسے قاضی، عامل اور فوجی کمانڈر مقرر کیے گئے جو براہ راست نبی کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے بھی حکمرانی کے اصولوں میں اس ڈھانچے کی مثالیں دی ہیں جو مدینہ کی ریاست سے مستعار ہیں[4]۔ یہ نظام سادگی پر مبنی تھا جہاں کوئی پروٹوکول نہیں تھا اور حکمران عوام کے ساتھ براہ راست ملتا تھا۔ سیاسی طور پر یہ ریاست غیر مسلموں کے ساتھ معاہدے کرتی تھی جو امن کو یقینی بناتا تھا۔ انتظامی ڈھانچہ میں مالیات کا نظام زکاۃ اور جزیہ پر قائم تھا جو ریاست کی ضروریات پورا کرتا تھا۔ یہ ڈھانچہ مشاورت پر بھی قائم تھا جس سے فیصلے عوامی رضامندی سے ہوتے تھے۔ مدینہ کی ریاست نے جنگوں میں بھی منظم فوج کا مظاہرہ کیا جو نظم و ضبط کی مثال تھی۔ یہ سیاسی نظام امت کی وحدت کو فروغ دیتا تھا اور قبائلی تعصب ختم کرتا تھا۔ انتظامی طور پر مختلف علاقوں میں گورنر بھیجے گئے جو مقامی مسائل حل کرتے تھے۔ یہ ڈھانچہ آج کے لیے بھی رہنما ہے کیونکہ یہ عدل اور مساوات پر قائم تھا۔ میثاق مدینہ نے تمام شہریوں کو برابر حقوق دیے جو جدید آئینوں کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ اس ڈھانچے میں تعلیم اور صحت کا بھی خیال رکھا گیا جو ریاست کی ذمہ داری تھی۔ سیاسی اتحاد نے مدینہ کو طاقتور بنایا اور دشمنوں سے حفاظت کی۔ انتظامی طور پر شفافیت کو یقینی بنایا گیا تاکہ کرپشن نہ پھیلے۔ یہ نظام نبوی اسوہ کی عملی شکل تھا جو سادگی اور ذمہ داری پر قائم تھا۔ اس ڈھانچے نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جو بعد میں خلافتوں میں پھیلا۔ یہ سب عناصر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے جو ریاست کو مستحکم بناتے تھے۔ اس لیے مدینہ کا ڈھانچہ آج بھی حکمرانی کے لیے بہترین مثال ہے۔ یہ سیاسی و انتظامی نظام قرآن و سنت کی روشنی میں قائم ہوا جو عدل کو مرکزی حیثیت دیتا تھا۔ اس طرح یہ ڈھانچہ مسلمانوں کے لیے ابدی رہنما ہے۔

2.3 خلافت و امارت کا نبوی تصور

خلافت و امارت کا نبوی تصور اللہ کی حاکمیت کے تحت حکمرانی کا تسلسل ہے جو نبی کے بعد بھی عدل اور مشاورت پر مبنی رہا۔ یہ تصور خلیفہ کو اللہ کا نائب مانتا ہے جو قوانین کی پاسداری کرے اور عوام کی خدمت کرے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں خلافت کو اصلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے جو رعایا کی فلاح کے لیے ہے[5]۔ امام بخاری نے حدیث میں بیان کیا ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے جب تک وہ اللہ کے احکام پر عمل کریں[6]۔ یہ تصور امارت کو بھی شامل کرتا ہے جہاں نبی نے مختلف علاقوں میں گورنر مقرر کیے جو براہ راست ذمہ دار تھے۔ خلافت کا نبوی ماڈل سادگی اور امانت پر قائم تھا جہاں خلیفہ عوام سے الگ نہیں رہتا تھا۔ یہ نظام اطاعت کی تعلیم دیتا ہے مگر گناہ میں نہیں جو اسلامی ریاست کی بنیاد ہے۔ امارت کا تصور بھی مشاورت سے جڑا ہوا تھا جو فیصلے کو بہتر بناتا تھا۔ نبوی دور میں خلافت کا آغاز خلفائے راشدین سے ہوا جو اس تصور کی عملی شکل تھے۔ یہ تصور حکمران کو ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہو۔ خلافت و امارت دونوں اللہ کے قوانین کے تابع ہیں جو عدل کو یقینی بناتے ہیں۔ یہ نظام

[3] ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2005، جلد 1، ص. 501

[4] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1994، ص. 3

[5] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص. 6

[6] امام بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر 7198

کرپشن سے پاک تھا اور عوامی بہبود پر توجہ دیتا تھا۔ نبوی تصور میں امارت کو عارضی اور ذمہ دارانہ قرار دیا گیا جو خدمت کا نام ہے۔ خلافت کا یہ خیال امت کی وحدت کو مضبوط کرتا ہے اور اختلافات ختم کرتا ہے۔ یہ تصور آج کے دور میں بھی اسلامی ریاستوں کے لیے رہنما ہے جہاں حکمرانی کو اللہ کی مرضی سے جوڑا جائے۔ اس طرح خلافت و امارت کا نبوی تصور ایک مکمل نظام ہے جو سیاسی استحکام دیتا ہے۔ یہ اصول حکمرانوں کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا ہے۔ امارت کا نبوی ماڈل بھی سادگی کی مثال ہے جو آج کے پیچیدہ مسائل حل کر سکتا ہے۔ خلافت کا یہ تصور قرآن و سنت سے مستعار ہے جو ابدی ہے۔ یہ نظام عوام کو بھی ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ اچھے خلیفہ کا انتخاب کریں۔ اس لیے یہ تصور اسلامی تاریخ کی روشنی میں حکمرانی کا بہترین ماڈل ہے۔ یہ سب عناصر ایک دوسرے سے مل کر ایک متوازن ریاست بناتے ہیں جو فلاح کا ضامن ہے۔ نبوی تصور میں خلافت و امارت کو اللہ کی عبادت سے جوڑا گیا ہے جو اس کی اہمیت بڑھاتا ہے۔

3۔ اصولِ عدل و انصاف

3.1 عدل کا نبوی تصور اور عملی مثالیں

عدل کا نبوی تصور بنیادی طور پر اللہ کی حاکمیت اور انسانی معاشرے میں کامل مساوات پر مبنی ہے جو حکمران کو بھی قانون کا پابند بناتا ہے اور کسی کو بھی استثنیٰ نہیں دیتا۔ یہ تصور صرف نظریاتی نہیں بلکہ عملی طور پر نبی کے دور میں مدینہ کی ریاست میں دیکھا گیا جہاں فیصلے ہمیشہ عدل کی بنیاد پر کیے جاتے تھے۔ ریمنڈ ولیم بیکر نے واضح کیا ہے کہ نبوی عدل نے مختلف قبائل اور مذاہب کے لوگوں کو برابر حقوق دیے جو معاشرتی اصلاح کا بہترین نمونہ ہے[7]۔ اسی طرح عملی مثالیں جیسے غزوہ بدر کے بعد قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور یہود کے ساتھ معاہدوں کی پاسداری اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ عدل کوئی رعایتی چیز نہیں تھی۔ کارن آرمسٹرانگ نے بیان کیا ہے کہ نبی کی حکمرانی میں عدل کی وجہ سے ریاست مستحکم ہوئی اور عوام میں اعتماد پیدا ہوا[8]۔ یہ مثالیں آج کے دور میں بھی رہنما ہیں کیونکہ وہ دکھاتی ہیں کہ عدل سے معاشرہ خوشحال بنتا ہے۔ نبوی دور میں کوئی بھی شخص چاہے وہ طاقتور ہو یا عام قانون سے بالاتر نہیں تھا جو آج کی ریاستوں کے لیے سبق ہے۔ یہ تصور عدل کو اخلاقی فریضہ بناتا ہے جو حکمران کی ذمہ داری ہے۔ عملی طور پر نبی نے خود اپنے بیٹے کو سزا دلانے کا حکم دیا جو برابری کی مثال ہے۔ یہ اصول معاشرے میں ظلم کا خاتمہ کرتا ہے اور فلاح عامہ کو یقینی بناتا ہے۔ عدل کا یہ ماڈل اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین نے بھی اپنایا۔ یہ سب عناصر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جو حکمرانی کو شفاف بناتے ہیں۔ اس لیے نبوی عدل آج بھی عصری مسائل جیسے کرپشن اور ناانصافی کے حل کا بہترین راستہ ہے۔ یہ تصور عوام کو بھی ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ عدل پسند حکمران کا انتخاب کریں۔ عملی مثالیں جیسے فتح مکہ کے بعد عام معافی اس بات کی دلیل ہیں کہ عدل انتقام نہیں بلکہ رحم ہے۔ یہ نظام معاشرے کو متحد کرتا ہے اور اختلافات ختم کرتا ہے۔ نبوی تصور میں عدل اللہ کی مرضی سے جڑا ہوا ہے جو اس کی اہمیت بڑھاتا ہے۔ یہ اصول آج کے سیاسی نظاموں کو متاثر کر سکتا ہے۔ اس طرح عدل کا نبوی تصور ایک مکمل فلسفہ ہے جو عملی زندگی میں لاگو ہوتا تھا۔ یہ مثالیں حکمرانوں کو سبق دیتی ہیں کہ عدل سے ریاست ترقی کرتی ہے۔ یہ سب باتوں سے واضح ہے کہ نبوی عدل ابدی رہنما ہے۔

3.2 قانون کی بالادستی (Rule of Law)

قانون کی بالادستی کا نبوی تصور اس بات پر قائم ہے کہ کوئی بھی شخص قانون سے بالاتر نہیں اور فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں ہوتے ہیں جو سب کے لیے برابر ہیں۔ یہ اصول اسلامی حکمرانی کو منصفانہ بناتا ہے اور استبداد سے بچاتا ہے۔ انور ایم ایمون اور رومی احمد نے اپنی کتاب میں وضاحت کی ہے کہ اسلامی قانون کی بالادستی نے ابتدائی ریاست میں عدل کو یقینی بنایا جو نبوی دور سے مستعار ہے[9]۔ اسی طرح جوزف شیخت نے بیان کیا ہے کہ نبوی نظام میں قانون کی پاسداری حکمران اور رعایا دونوں پر لازم تھی جو جدید رول آف لا کی بنیاد بن سکتی ہے[10]۔ یہ بالادستی عملی طور پر دیکھی گئی جب نبی نے خود کو بھی عدالت میں پیش کیا۔ یہ اصول فیصلہ سازی کو شفاف بناتا ہے اور کرپشن کا خاتمہ کرتا ہے۔ قانون کی یہ بالادستی معاشرے میں اعتماد پیدا کرتی ہے اور عوام کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ نبوی دور میں قاضی کے فیصلے حتمی ہوتے تھے مگر اللہ کے احکام کے تابع۔ یہ نظام

---

[7] Raymond William Baker, Justice in Islam: The Quest for the Righteous Community From Abu Dharr to Muhammad Ali (New York: Oxford University Press, 2022), 45

[8] Karen Armstrong, Muhammad: A Prophet for Our Time (New York: HarperOne, 2006), 112

[9] Anver M. Emon and Rumee Ahmed, eds., The Oxford Handbook of Islamic Law (Oxford: Oxford University Press, 2018), 300

[10] Joseph Schacht, An Introduction to Islamic Law (Oxford: Clarendon Press, 1964), 50

آج کے دور میں بھی اسلامی ریاستوں کے لیے مثالی ہے جہاں قانون سب پر یکساں لاگو ہو۔ یہ تصور حکمران کو بھی جواب دہ بناتا ہے۔ قانون کی بالادستی سے معاشرتی استحکام پیدا ہوتا ہے اور اختلافات قانونی طور پر حل ہوتے ہیں۔ یہ اصول اسلامی تاریخ میں خلافتوں میں بھی جاری رہا۔ یہ سب عناصر ایک دوسرے سے مل کر ایک مضبوط نظام بناتے ہیں جو فلاح کا ضامن ہے۔ اس لیے قانون کی بالادستی نبوی اسوہ کی اہم خصوصیت ہے جو آج بھی ضرورت ہے۔ یہ اصول عوام کو بھی قانون کی پاسداری سکھاتا ہے۔ عملی طور پر یہ دیکھا گیا کہ نبی نے طاقتور قبائل کو بھی قانون کے تابع کیا۔ یہ بالادستی عدل کو مرکزی حیثیت دیتی ہے۔ یہ نظام کرپشن سے پاک رکھتا ہے اور ترقی کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ قانون کی یہ برتری اسلامی ریاست کی بنیاد ہے۔ یہ تصور آج کے سیاسی چیلنجز حل کر سکتا ہے۔ اس طرح قانون کی بالادستی ایک ابدی اصول ہے جو نبوی تعلیمات سے نکلا۔ یہ اصول حکمرانی کو اخلاقی بناتا ہے۔ یہ سب باتوں سے واضح ہے کہ رول آف لا اسلامی حکمرانی کا لازمی حصہ ہے۔

3.3 آئینِ پاکستان میں عدل و مساوات کی دفعات

آئین پاکستان میں عدل و مساوات کی دفعات بنیادی حقوق کے طور پر موجود ہیں جو نبوی اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں اور سب شہریوں کو برابر حقوق دیتی ہیں۔ یہ دفعات جیسے آرٹیکل 25 مساوات اور آرٹیکل 4 قانون کی بالادستی کو یقینی بناتی ہیں جو اسلامی جمہوریہ کی روح ہیں۔ حمید خان نے اپنی کتاب میں تجزیہ کیا ہے کہ 1973ء کے آئین کی یہ دفعات عدل کو ریاست کی بنیاد بناتی ہیں جو عملی طور پر تطبیق پاتی ہیں[11]۔ اسی طرح محمد منیر نے اپنے تبصرے میں واضح کیا ہے کہ آئین کی یہ شقیں مساوات کو قانونی تحفظ دیتی ہیں جو پاکستان کی اسلامی شناخت سے جڑی ہیں[12]۔ یہ دفعات عملی طور پر عدالتوں میں استعمال ہوتی ہیں جہاں ناانصافی کے خلاف اپیل کی جا سکتی ہے۔ یہ اصول آئین کے دیباچے سے بھی ہم آہنگ ہیں جو عدل کو قومی مقصد قرار دیتا ہے۔ آئین میں یہ دفعات غیر مسلموں کو بھی برابر حقوق دیتی ہیں جو نبوی مساوات کی یاد دلاتی ہیں۔ یہ نظام سیاسی استحکام کو فروغ دیتا ہے اور عوامی اعتماد بڑھاتا ہے۔ عدل و مساوات کی یہ شقیں کرپشن اور امتیاز کے خلاف ڈھال ہیں۔ یہ دفعات آئین کی اسلامی دفعات جیسے آرٹیکل 2 سے جڑی ہیں۔ یہ سب عناصر ایک متوازن ڈھانچہ بناتے ہیں جو فلاح عامہ کو یقینی بناتا ہے۔ اس لیے آئین کی یہ دفعات نبوی اصولوں کی آئینی شکل ہیں۔ یہ اصول عملی طور پر عدالت عظمیٰ کے فیصلوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ یہ مساوات معاشرے کو متحد رکھتی ہے اور اختلافات کم کرتی ہے۔ آئین میں یہ دفعات حکمرانوں کو بھی پابند بناتی ہیں۔ یہ نظام جدید تقاضوں کے مطابق ہے مگر اسلامی بنیاد پر قائم ہے۔ عدل کی یہ شقیں پاکستان کو ایک مثالی ریاست بنانے کا ذریعہ ہیں۔ یہ اصول عوام کو بھی حقوق کی پاسداری سکھاتے ہیں۔ یہ دفعات آئین کی کامیابی کی بنیاد ہیں۔ یہ سب باتوں سے واضح ہے کہ آئین پاکستان میں عدل و مساوات نبوی تصور کی عملی تطبیق ہے۔ یہ دفعات آج بھی چیلنجز کا مقابلہ کرتی ہیں۔ اس طرح یہ آئین اسلامی اصولوں کا آئینہ دار ہے۔

4۔ اصولِ شوریٰ اور عوامی شرکت

4.1 سنتِ نبوی ﷺ میں مشاورت کی اہمیت

سنتِ نبوی ﷺ میں مشاورت کی اہمیت انتہائی مرکزی ہے جو حکمرانی کو جماعتی ذمہ داری بناتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ہر اہم معاملے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا تاکہ فیصلے میں حکمت اور اتفاق رائے پیدا ہو اور یہ عمل اللہ کی طرف سے حکم بھی تھا جو قرآن میں بیان ہوا ہے مگر سنت میں اس کی عملی شکل دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ مشاورت صرف مشورہ لینے تک محدود نہیں بلکہ اسے قبول کرنے کی اہمیت بھی تھی جو حکمران کو غرور سے بچاتی تھی اور عوام کی شرکت کو یقینی بناتی تھی۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب الشوریٰ قائم کیا ہے جہاں نبی ﷺ کی مشاورت کی مثالیں موجود ہیں جو اس کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں[13]۔ یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مشاورت اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے اور نبی ﷺ نے جنگ احد میں بھی صحابہ سے مشورہ کیا جو اس کی عملی مثال ہے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ مشاورت حکمرانی کا لازمی

[11] Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan (Oxford: Oxford University Press, 2001), 378

[12] Muhammad Munir, Constitution of the Islamic Republic of Pakistan: Being a Commentary on the Constitution of Pakistan, 1973 (Lahore: Law Publishing Company, 1975), 150

[13] امام بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب الشوریٰ، حدیث نمبر 7192

جزو ہے جو رائے کی اصلاح کرتی ہے اور غلطی سے بچاتی ہے[14]۔ یہ اصول نبی ﷺ کی زندگی میں ہر میدان میں نظر آتا تھا جیسے غزوات اور معاہدات میں جہاں مشاورت سے فیصلے مستحکم ہوتے تھے۔ مشاورت کی یہ اہمیت آج کے دور میں بھی حکمرانی کے لیے رہنما ہے کیونکہ یہ آمریت کو روکتی ہے اور اتفاق رائے کو فروغ دیتی ہے۔ نبی ﷺ نے خود بھی کہا کہ مشورہ کرنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا جو اس کی برکت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ عمل صحابہ کو ذمہ دار بناتا تھا اور ان کی رائے کو اہمیت دیتا تھا۔ پھر یہ مشاورت معاشرتی ہم آہنگی کو بڑھاتی تھی اور قبائلی اختلافات ختم کرتی تھی۔ سنت میں مشاورت کی مثالیں متعدد ہیں جو نبوی طرز حکمرانی کی بنیاد ہیں۔ یہ اصول اللہ کی حاکمیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے جو فیصلوں کو الٰہی احکام کے تابع رکھتا ہے۔ اس طرح مشاورت ایک مقدس عمل ہے جو حکمرانی کو خدمت کا نام دیتا ہے۔ یہ اہمیت عوام کو بھی شامل کرتی ہے کہ وہ اچھے مشیر بننے کی کوشش کریں۔ نبی ﷺ کی مشاورت نے اسلامی ریاست کو طاقتور بنایا اور دشمنوں سے حفاظت کی۔ یہ عمل سادگی اور امانت سے مل کر ایک مکمل نظام بناتا ہے۔ مشاورت کی یہ اہمیت تاریخی طور پر خلافت راشدہ میں جاری رہی جو اس کی کامیابی کی دلیل ہے۔ یہ اصول آج بھی اسلامی ریاستوں کے لیے ابدی رہنما ہے۔ یہ سب عناصر مل کر حکمرانی کو متوازن بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ مشاورت نبی ﷺ کی سنت کا اہم حصہ ہے جو عدل اور انصاف کو تقویت دیتی ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ آئینی تطبیق میں مدد ملے۔

4.2 ریاستی فیصلوں میں اجتماعی رائے کی مثالیں

ریاستی فیصلوں میں اجتماعی رائے کی مثالیں نبوی دور میں واضح طور پر موجود ہیں جو مشاورت کو عملی شکل دیتی ہیں اور نبی ﷺ نے مختلف غزوات اور معاہدات میں صحابہ کی اجتماعی رائے کو ترجیح دی تاکہ فیصلے میں اتفاق اور حکمت ہو۔ یہ مثالیں ریاست مدینہ کے سیاسی اور فوجی معاملات میں نظر آتی ہیں جہاں نبی ﷺ نے تنہا فیصلہ کرنے کی بجائے صحابہ سے رائے طلب کی۔ ابن ہشام نے سیرت میں جنگ بدر اور احد کی تفصیل بیان کی ہے جہاں نبی ﷺ نے اجتماعی مشورہ لیا جو فیصلوں کی کامیابی کا باعث بنا[15]۔ یہ مثال اس لیے اہم ہے کہ یہ اجتماعی رائے کو ریاست کے استحکام سے جوڑتی ہے اور نبی ﷺ نے جنگ احد میں خندق کھودنے کا مشورہ صحابہ سے لیا جو اجتماعی حکمت کی عکاسی کرتا ہے۔ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی نے اپنی کتاب میں بھی ریاستی فیصلوں میں مشاورت کی مثالیں دی ہیں جو نبوی دور سے مستعار ہیں اور یہ فیصلوں کو عوامی حمایت سے ہمکنار کرتی ہیں[16]۔ یہ مثالیں میثاق مدینہ میں بھی نظر آتی ہیں جہاں مختلف گروہوں کی رائے کو شامل کیا گیا تھا۔ اجتماعی رائے نے ریاست کو متحد رکھا اور قبائلی تعصب ختم کیا۔ یہ عمل فوجی حکمت عملی میں بھی استعمال ہوا جہاں نبی ﷺ نے صحابہ کی رائے پر عمل کیا۔ پھر یہ مثالیں معاہدات میں بھی موجود ہیں جیسے حدیبیہ کا معاہدہ جہاں مشاورت سے فیصلہ ہوا۔ یہ اجتماعی رائے آج کے دور میں بھی پارلیمانی نظام کی بنیاد بن سکتی ہے۔ یہ مثالیں حکمرانی کو جماعتی ذمہ داری بناتی ہیں اور آمریت سے بچاتی ہیں۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ اجتماعی رائے کو اہمیت دی جو فیصلوں کو درست بناتی تھی۔ یہ عمل عوام کی فلاح کو یقینی بناتا تھا اور ریاست کو مستحکم کرتا تھا۔ پھر یہ مثالیں خلفائے راشدین میں بھی جاری رہیں جو نبوی سنت کی پیروی تھیں۔ اجتماعی رائے کی یہ مثالیں عدل اور انصاف سے جڑی ہوئی تھیں۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح کا ضامن ہے۔ یہ مثالیں اسلامی تاریخ کی روشنی میں حکمرانی کا بہترین ماڈل ہیں۔ اجتماعی رائے نے ریاست کو طاقتور بنایا اور مسائل حل کیے۔ یہ عمل مشاورت کی عملی شکل ہے جو نبی ﷺ کی سنت ہے۔ اس لیے یہ مثالیں آج بھی رہنما ہیں۔

4.3 آئینی ڈھانچے میں پارلیمانی نظام اور شوریٰ کا تصور

آئینی ڈھانچے میں پارلیمانی نظام اور شوریٰ کا تصور پاکستان کے آئین 1973ء میں موجود ہے جو نبوی مشاورت سے متاثر ہے اور پارلیمنٹ کو قانون سازی اور فیصلہ سازی کا مرکز بناتا ہے تاکہ عوامی رائے شامل ہو اور حکمرانی جماعتی ہو۔ یہ نظام دیباچہ اور آرٹیکلز میں بیان ہے جہاں پارلیمنٹ شوریٰ کی طرح کام کرتی ہے اور یہ اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں شوریٰ کو ریاستی فیصلوں کا لازمی جزو قرار دیا ہے جو پارلیمانی نظام کی بنیاد بن سکتا ہے[17]۔ یہ تصور آئین میں پارلیمنٹ کی بالادستی سے جڑا ہے جو عوامی نمائندوں کے ذریعے شوریٰ کو عملی شکل دیتا ہے۔ ابن ہشام نے سیرت میں نبوی مشاورت کی تفصیل بیان کی ہے جو آئینی شوریٰ کی مثال ہے اور

---

[14] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.78

[15] ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2005، جلد 2، ص.312

[16] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1994، ص.45

[17] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.102

پارلیمانی نظام اسے جدید شکل دیتا ہے[18]۔ یہ تصور آئین کے آرٹیکل 50 اور 90 میں نظر آتا ہے جہاں پارلیمنٹ قانون سازی کرتی ہے۔ پارلیمانی نظام شوریٰ کو جمہوری شکل دیتا ہے جو نبوی اصول سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ نظام عوامی شرکت کو یقینی بناتا ہے اور فیصلوں میں اتفاق پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ آئین میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ذریعے شوریٰ کو اسلامی رنگ دیتا ہے۔ یہ تصور حکمرانی کو شفاف بناتا ہے اور کرپشن سے بچاتا ہے۔ پارلیمانی نظام نبوی شوریٰ کی توسیع ہے جو آج کے پیچیدہ مسائل حل کر سکتا ہے۔ یہ نظام عوام کو ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ اچھے نمائندے منتخب کریں۔ پھر یہ آئین کی اسلامی روح کو ظاہر کرتا ہے جو نبوی ماڈل سے جڑی ہے۔ شوریٰ اور پارلیمانی نظام مل کر ایک متوازن ڈھانچہ بناتے ہیں۔ یہ تصور تاریخی طور پر خلافت میں بھی موجود تھا۔ یہ نظام عدل اور مساوات کو فروغ دیتا ہے۔ پھر بھی عملی تطبیق میں چیلنجز ہیں جنہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب عناصر آئین کو نبوی اصولوں سے جوڑتے ہیں۔ اس لیے یہ تصور پاکستان کے لیے ابدی رہنما ہے جو شوریٰ کی بالادستی کو یقینی بناتا ہے۔

5۔ احتساب اور جواب دہی

5.1 نبوی دور میں احتساب کا نظام

نبوی دور میں احتساب کا نظام اسلامی حکمرانی کا ایک اہم ستون تھا جو عوامی فلاح، اخلاقی اقدار کی پاسداری اور معاشرتی انصاف کو یقینی بناتا تھا اور یہ نظام اللہ کے احکام کی بالادستی پر مبنی تھا جہاں نبی کریم ﷺ خود احتساب کی ذمہ داری نبھاتے تھے اور بعد میں بازاروں اور عوامی امور کی نگرانی کے لیے مخصوص افراد مقرر کیے گئے تاکہ دھوکہ دہی، کرپشن اور ناانصافی کا خاتمہ ہو سکے۔ یہ نظام Hisbah کے نام سے جانا جاتا تھا جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی عملی شکل تھا اور نبوی دور میں یہ نہ صرف بازاروں تک محدود تھا بلکہ عوامی اخلاقیات اور حکمرانی کی شفافیت کو بھی یقینی بناتا تھا۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں احتساب کو معاشرتی اصلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے جو نبوی دور سے شروع ہوا اور یہ نظام دھوکہ دہی سے بچاؤ کرتا تھا[19]۔ یہ بات اس لیے اہم ہے کہ یہ احتساب کو حکمرانی کا لازمی جزو بناتی ہے اور نبی ﷺ نے مدینہ کے بازار میں سعید بن سعید بن العاص کو مقرر کیا جو دھوکہ دہی اور ناپ تول میں کمی کی نگرانی کرتے تھے۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے بھی احتساب کے نظام کی تفصیل بیان کی ہے جو نبوی دور کی روشنی میں معاشرتی انضباط کو یقینی بناتا تھا[20]۔ یہ نظام نبی ﷺ کی زندگی میں عملی طور پر نافذ تھا جہاں بازاروں میں وزن اور پیمانے کی نگرانی کی جاتی تھی اور غلط کاموں پر فوری احتساب ہوتا تھا۔ احتساب کا یہ نظام عوامی سطح پر بھی تھا جہاں ہر مسلمان کو غلط دیکھ کر روکنے کا حکم تھا۔ پھر یہ نظام مالی معاملات میں شفافیت لاتا تھا اور کرپشن کو جڑ سے ختم کرتا تھا۔ نبوی دور میں احتساب نے ریاست کو مستحکم بنایا اور عوام میں اعتماد پیدا کیا۔ یہ نظام سادگی اور امانت سے جڑا ہوا تھا جو حکمرانوں کو بھی جواب دہ بناتا تھا۔ احتساب کی یہ مثالیں خلفائے راشدین میں بھی جاری رہیں جو نبوی سنت کی پیروی تھیں۔ یہ نظام عدل اور مساوات کو فروغ دیتا تھا اور معاشرے کو خوشحال بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی تطبیق کے لیے مسلسل جہد وجہد کی ضرورت تھی۔ یہ احتساب اللہ کی مرضی سے جڑا ہوا تھا جو اس کی اہمیت بڑھاتا تھا۔ نبوی دور کا یہ نظام آج بھی اسلامی ریاستوں کے لیے رہنما ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن ڈھانچہ بناتے ہیں جو فلاح کا ضامن ہے۔ احتساب نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اخلاقی اقدار کی حفاظت کرتا تھا۔ اس لیے اس نظام کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ آئینی سطح پر اس کی تطبیق ممکن ہو۔

5.2 حکمران کی عوام کے سامنے جواب دہی

حکمران کی عوام کے سامنے جواب دہی نبوی طرز حکمرانی کا بنیادی اصول ہے جو حکمران کو اللہ اور عوام دونوں کے سامنے ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور نبی کریم ﷺ نے خود مثال قائم کی کہ حکمران رعایا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے تاکہ اقتدار کا غلط استعمال نہ ہو اور شفافیت قائم رہے۔ یہ اصول احتساب کو مکمل کرتا ہے جہاں حکمران کی زندگی اور فیصلے عوامی نگرانی کے تابع ہوتے تھے اور یہ بات اسلامی ریاست کی مستحکمی کا باعث بنی۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں حدیث بیان کی ہے جہاں نبی ﷺ نے حکمرانوں کو عوام کی خدمت کی ذمہ داری بتائی اور جواب دہی کی اہمیت پر زور دیا[21]۔ یہ حدیث حکمران کو عوام کا خادم قرار دیتی ہے اور جواب دہی کو لازمی بناتی ہے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے

---

[18] ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2005، جلد 1، ص. 456.

[19] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص. 120.

[20] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1994، ص. 210.

[21] امام بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب حکمران کی ذمہ داری، حدیث نمبر 7150

اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ حکمران کی جواب دہی رعایا کی اصلاح کے لیے ضروری ہے جو نبوی اصول سے مستعار ہے[22]۔ یہ اصول نبی ﷺ کی زندگی میں نظر آتا تھا جہاں وہ عوام سے براہ راست ملتے اور ان کی شکایات سنتے تھے۔ جواب دہی کا یہ تصور حکمران کو اللہ کے سامنے جواب دہ بناتا تھا اور عوامی سطح پر بھی شفافیت لاتا تھا۔ پھر یہ اصول خلفائے راشدین میں بھی عملی تھا جہاں خلیفہ عوام کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دیتے تھے۔ یہ نظام کرپشن اور استحصال سے بچاتا تھا اور حکمرانی کو خدمت کا نام دیتا تھا۔ جواب دہی عوام کو بھی حقوق دیتی تھی کہ وہ حکمران سے سوال کریں۔ یہ اصول عدل اور انصاف سے جڑا ہوا تھا جو معاشرے میں اعتماد پیدا کرتا تھا۔ نبوی دور میں حکمران کی سادگی جواب دہی کی زندہ مثال تھی۔ یہ تصور آج کے دور میں بھی حکمرانوں کے لیے رہنما ہے۔ پھر یہ جواب دہی مشاورت سے تقویت پاتی تھی جو فیصلوں کو درست بناتی تھی۔ یہ اصول اسلامی تاریخ میں خلافت کی بنیاد رہا۔ جواب دہی کا یہ نظام اللہ کی حاکمیت کو یقینی بناتا تھا۔ یہ سب عناصر مل کر حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتے ہیں۔ اس لیے یہ اصول نبوی اسوہ کی عکاسی کرتا ہے جو ابدی ہے۔

5.3 آئین 1973 میں احتسابی و نگرانی کے ادارے

آئین 1973 میں احتسابی و نگرانی کے ادارے اسلامی اصولوں سے متاثر ہیں جو نبوی احتساب اور جواب دہی کی روشنی میں کرپشن، بدعنوانی اور ناانصافی کے خلاف اقدامات کرتے ہیں اور یہ ادارے آئین کی مختلف دفعات، قوانین اور آرڈیننسز کے تحت قائم کیے گئے ہیں تاکہ حکمرانی میں شفافیت، جواب دہی اور عوامی فلاح یقینی ہو۔ یہ ادارے نیشنل اکاؤنٹیبلٹی بیورو (NAB) جیسے ادارے ہیں جو کرپشن کی تحقیقات، مقدمات اور سزاؤں کا ذمہ دار ہیں اور آئین کے آرٹیکل 227 اور اصول پالیسی میں اسلامی احکام کی پاسداری کا حکم ہے جو ان اداروں کی بنیاد ہے۔ Hamid Khan نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آئین 1973ء احتسابی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے دفعات فراہم کرتا ہے جو نبوی اصولوں سے ہم آہنگ ہیں اور NAB جیسے ادارے کرپشن کے خلاف موثر کارروائی کرتے ہیں[23]۔ یہ ادارے عوامی شکایات پر کارروائی کرتے ہیں اور حکمرانوں کو جواب دہ بناتے ہیں جو اسلامی عدل کی عکاسی کرتے ہیں۔ Sadaf Aziz نے بھی اپنی کتاب میں اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ آئین کے احتسابی ڈھانچے میں نگرانی اور احتساب کو شامل کیا گیا ہے جو شفافیت کو فروغ دیتا ہے[24]۔ یہ ادارے FIA اور دیگر نگرانی کے اداروں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اور آئین کی دفعات میں عدالتی نگرانی بھی شامل ہے۔ احتسابی نظام آئین کی اسلامی روح کو ظاہر کرتا ہے جو نبوی ماڈل سے جڑی ہے اور عوام کو حقوق دیتا ہے کہ وہ بدعنوانی کے خلاف آواز اٹھا سکیں۔ یہ ادارے NAB آرڈیننس 1999 کے تحت کام کرتے ہیں جو کرپشن کی روک تھام کرتا ہے۔ پھر یہ نظام عدالتی اور پارلیمانی نگرانی کے تحت ہے جو انصاف کو یقینی بناتا ہے۔ احتسابی ادارے نبوی احتساب کی جدید شکل ہیں جو آج کے پیچیدہ مسائل حل کر سکتے ہیں۔ یہ سب عناصر آئین کو نبوی اصولوں سے جوڑتے ہیں اور حکمرانی کو مستحکم بناتے ہیں۔ پھر بھی عملی تطبیق میں چیلنجز ہیں جنہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ادارے مشاورت اور ذمہ داری سے مل کر ایک متوازن ڈھانچہ بناتے ہیں جو فلاح کا ضامن ہے۔ احتسابی و نگرانی کے یہ ادارے پاکستان کے لیے ابدی رہنما ہیں جو احتساب کی بالادستی کو یقینی بناتے ہیں۔

6۔ امانت و دیانت اور شفافیت

6.1 امانت کا اصول اور سرکاری ذمہ داریاں

امانت کا اصول نبوی طرز حکمرانی میں انتہائی اہم اور بنیادی ہے جو سرکاری ذمہ داریوں کو اللہ کی امانت سمجھتا ہے اور حکمران اور عہدیداروں کو دیانت اور شفافیت کی پابندی کا پابند بناتا ہے تاکہ اقتدار کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال نہ کیا جائے اور عوامی فلاح کو یقینی بنایا جا سکے۔ یہ اصول قرآن کی روشنی میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے امانتوں کو اہل کے حوالے کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے سرکاری عہدوں کو مقدس ذمہ داری قرار دیا۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ امانت کی پاسداری حکمرانی کی بنیاد ہے اور سرکاری ذمہ داریاں اہلیت اور دیانت کے ساتھ ادا کی جائیں[25]۔ یہ اصول اس لیے اہم ہے کہ یہ حکمران کو اللہ اور عوام کے سامنے جواب دہ بناتا

---

[22] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.15

[23] Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan, Oxford University Press, Karachi, 2012, p. 678

[24] Sadaf Aziz, The Constitution of Pakistan: A Contextual Analysis, Hart Publishing, Oxford, 2018, p. 112

[25] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.18

ہے اور کرپشن سے بچاتا ہے۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے بھی سرکاری ذمہ داریوں میں امانت کو مرکزی حیثیت دی ہے جو نبوی دور کی روشنی میں عہدوں کی تقسیم کو اہلیت پر مبنی بناتا ہے[26]۔ یہ اصول نبی ﷺ کی زندگی میں عملی تھا جہاں وہ امانتوں کی حفاظت کرتے اور سرکاری عہدیداروں کو دیانت کی تلقین کرتے تھے۔ امانت کا یہ تصور سرکاری ذمہ داریوں کو خدمت کا نام دیتا ہے اور حکمران کو عوام کا خادم بناتا ہے۔ پھر یہ اصول خلفائے راشدین میں بھی جاری رہا جہاں خلیفہ عوامی امانتوں کو اللہ کی امانت سمجھتے تھے۔ یہ نظام عدل اور مساوات کو تقویت دیتا تھا اور معاشرے میں اعتماد پیدا کرتا تھا۔ امانت کی یہ اہمیت آج کے دور میں بھی رہنما ہے کیونکہ یہ اخلاقی اقدار کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ امانت کا اصول نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اللہ کی حاکمیت سے جڑا ہوا تھا۔ اس لیے اس اصول کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ سرکاری ذمہ داریوں میں اس کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ اصول مشاورت اور ذمہ داری سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ امانت عوام کو بھی ذمہ دار بناتی تھی کہ وہ امانت دار حکمران کا انتخاب کریں۔ اس طرح یہ اصول ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

6.2 مالیاتی شفافیت اور بیت المال کا نظام

مالیاتی شفافیت اور بیت المال کا نظام نبوی طرز حکمرانی میں بنیادی ستون تھا جو عوامی وسائل کی شفاف تقسیم اور استعمال کو یقینی بناتا تھا اور نبی کریم ﷺ نے بیت المال کو اللہ اور عوام کی مشترکہ امانت قرار دیا جو زکاۃ، غنیمت اور دیگر آمدنیوں سے تشکیل پاتا تھا اور اس کی تقسیم میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا تاکہ غریب اور امیر برابر فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ نظام مالی کرپشن سے پاک تھا اور شفافیت کو مرکزی حیثیت دیتا تھا جو حکمرانی کی بنیاد تھا۔ تقي الدين احمد بن عبد الحليم ابن تيمیہ نے اپنی کتاب میں بیت المال کی شفاف تقسیم کو امانت کی پاسداری سے جوڑا ہے جو نبوی دور کی مثال ہے[27]۔ یہ نظام اس لیے اہم ہے کہ یہ بیت المال کو عوامی فلاح کے لیے استعمال کرتا تھا اور حکمران خود بھی اس سے محدود فائدہ اٹھاتے تھے۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے بھی بیت المال کی انتظامیہ میں شفافیت کو امانت اور دیانت سے جڑا قرار دیا ہے جو مالیاتی نگرانی کو ممکن بناتا تھا[28]۔ یہ نظام نبوی دور میں عملی تھا جہاں نبی ﷺ نے بیت المال کی آمدنی اور اخراجات کو عوام کے سامنے رکھا اور شفافیت کو یقینی بنایا۔ بیت المال کا یہ نظام زکاۃ کی تقسیم میں مساوات کو فروغ دیتا تھا اور معاشی انصاف کو ممکن بناتا تھا۔ پھر یہ نظام خلفائے راشدین میں بھی جاری رہا جہاں عمر بن خطاب نے بیت المال کو عوامی فلاح کے لیے استعمال کیا۔ یہ مالیاتی شفافیت کرپشن اور استحصال سے بچاتی تھی اور ریاست کو مستحکم بناتی تھی۔ بیت المال کا نظام آج کے دور میں بھی رہنما ہے کیونکہ یہ مالیاتی اخلاقیات کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ مالیاتی شفافیت نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اللہ کی مرضی سے جڑا ہوا تھا۔ اس لیے اس نظام کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ جدید ریاستوں میں اس کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ نظام مشاورت اور احتساب سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ شفافیت عوام کو بھی ذمہ دار بناتی تھی کہ وہ بیت المال کی نگرانی کریں۔ اس طرح یہ نظام ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

6.3 آئینی و قانونی سطح پر شفاف حکمرانی کے تقاضے

آئینی و قانونی سطح پر شفاف حکمرانی کے تقاضے پاکستان کے آئین 1973ء میں موجود ہیں جو نبوی امانت اور دیانت کی روشنی میں شفافیت، جوابدہی اور عوامی رسائی کو یقینی بناتے ہیں اور یہ تقاضے آرٹیکل 19 A- اور دیگر دفعات میں بیان ہیں جو عوام کو عوامی امور کی معلومات تک رسائی کا حق دیتے ہیں تاکہ حکمرانی میں کرپشن کم ہو اور اعتماد بڑھے۔ یہ تقاضے آئین کی اسلامی روح سے جڑے ہیں جو شفاف حکمرانی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ Hamid Khan نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آئین 1973ء شفافیت کو بنیادی حقوق کا حصہ بناتا ہے جو نبوی اصولوں سے ہم آہنگ ہے اور آرٹیکل 19 A- عوامی معلومات تک رسائی کو یقینی بناتا ہے[29]۔ یہ تقاضے اس لیے اہم ہیں کہ یہ قانونی سطح پر شفافیت کو فروغ دیتے ہیں اور حکمرانوں کو جوابدہ بناتے ہیں۔ Sadaf Aziz نے بھی اپنی کتاب میں آئین کے شفاف حکمرانی کے تقاضوں کو اسلامی عدل اور امانت سے جوڑا ہے جو

---

[26] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1994، ص.22

[27] تقي الدين احمد بن عبد الحليم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.145

[28] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1994، ص.168

[29] Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan, Oxford University Press, Karachi, 2012, p. 589

عوامی شرکت کو ممکن بناتے ہیں[30]۔ یہ تقاضے آئین میں احتسابی اداروں اور RTI قوانین کے ذریعے عملی شکل اختیار کرتے ہیں جو شفافیت کو یقینی بناتے ہیں۔ شفاف حکمرانی کے یہ تقاضے عوامی اعتماد کو بڑھاتے ہیں اور کرپشن سے بچاتے ہیں۔ پھر یہ تقاضے عدالتی نگرانی کے تحت کام کرتے ہیں جو انصاف کو ممکن بناتے ہیں۔ آئینی سطح پر یہ تقاضے نبوی امانت کی جدید شکل ہیں جو آج کے مسائل حل کرسکتے ہیں۔ یہ سب عناصر آئین کو نبوی اصولوں سے جوڑتے ہیں اور حکمرانی کو مستحکم بناتے ہیں۔ پھر بھی عملی تطبیق میں چیلنجز ہیں جنہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تقاضے مشاورت اور ذمہ داری سے مل کر ایک متوازن ڈھانچہ بناتے ہیں جو فلاح کا ضامن ہے۔ شفاف حکمرانی کے یہ تقاضے پاکستان کے لیے ابدی رہنما ہیں جو امانت اور دیانت کی بالادستی کو یقینی بناتے ہیں۔

7۔ بنیادی انسانی حقوق کا تصور

7.1 خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق

خطبہ حجۃ الوداع نبوی طرز حکمرانی کا ایک عظیم الشان اور ابدی منشور ہے جو انسانی حقوق کی جامع تصویر پیش کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ نے میدان عرفات میں سوا لاکھ کے قریب صحابہ کی موجودگی میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا جو مساوات، انصاف، عزت نفس اور آزادی کی بنیاد رکھتا ہے تاکہ نسل انسانی ہمیشہ کے لیے ظلم اور امتیاز سے محفوظ رہے۔ یہ خطبہ انسانی حقوق کا پہلا مکمل اور عالمی دستاویز سمجھا جاتا ہے جو خون، مال اور عزت کی حرمت کو مقدس قرار دیتا ہے اور آج کے دور میں بھی اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور سے بہت پہلے یہ اصول پیش کرچکا ہے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں خطبہ حجۃ الوداع کو انسانی حقوق کی حفاظت کا جامع منشور قرار دیا ہے جو نبوی تعلیمات کی روشنی میں عدل کی بالادستی کو یقینی بناتا ہے[31]۔ یہ خطبہ اس لیے اہم ہے کہ یہ عرب جاہلیت کے امتیازات کو ختم کرتا ہے اور تمام انسانوں کو برابر قرار دیتا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع کی روایات بیان کی ہیں جہاں نبی ﷺ نے فرمایا کہ عرب کا غیر عرب پر اور سفید کا کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے جو انسانی حقوق کی بنیاد ہے[32]۔ یہ اصول خطبہ میں عورتوں کے حقوق، وراثت اور معاشی انصاف کو بھی شامل کرتا ہے جو عالمی سطح پر انسانی حقوق کی ترقی کا پیش خیمہ ہے۔ خطبہ نے سود اور جاہلی رسوم کو ختم کیا اور خون کی حرمت کو بار بار دہرایا جو زندگی کے حق کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ خطبہ مذہبی آزادی اور سماجی مساوات کی بھی ضمانت دیتا ہے جو غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کی مثال ہے۔ پھر یہ خطبہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی رہنما رہا جو نبوی سنت کی پیروی تھی۔ یہ حقوق انسانی کی حفاظت آج بھی رہنما ہیں کیونکہ یہ اخلاقی اقدار کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اللہ کی حاکمیت سے جڑا ہوا تھا۔ اس لیے اس خطبہ کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ انسانی حقوق کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ اصول مشاورت اور ذمہ داری سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ حقوق عوام کو بھی ذمہ دار بناتے تھے کہ وہ انصاف کی حمایت کریں۔ اس طرح یہ خطبہ ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

7.2 مذہبی وسماجی آزادی کا نبوی ماڈل

مذہبی وسماجی آزادی کا نبوی ماڈل اسلامی ریاست کی بنیاد ہے جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں قائم کیا اور میثاق مدینہ سے لے کر خطبہ حجۃ الوداع تک یہ آزادی تمام شہریوں کے لیے یقینی بنائی گئی تاکہ کوئی بھی شخص اپنے مذہب، عقیدے اور سماجی زندگی میں آزادانہ طور پر عمل کرسکے اور ریاست کی طرف سے کوئی ظلم یا مداخلت نہ ہو۔ یہ ماڈل غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات اور ان کے مذہبی حقوق کی مکمل حفاظت پر مبنی تھا جو اسلامی تاریخ کی سب سے روشن مثال ہے۔ Majid Khadduri نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ نبوی ماڈل نے مذہبی آزادی کو اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیت بنایا جو غیر مسلموں کو مکمل تحفظ فراہم کرتا تھا[33]۔ یہ ماڈل اس لیے اہم ہے کہ یہ جاہلیت کے مذہبی تعصب اور سماجی امتیاز کو ختم کرتا ہے اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے۔ Bernard G. Weiss نے بھی اپنی کتاب میں نبوی دور کی مذہبی رواداری کو اسلامی قانون کی روح قرار دیا ہے

---

[30] Sadaf Aziz, The Constitution of Pakistan: A Contextual Analysis, Hart Publishing, Oxford, 2018, p. 98

[31] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.200

[32] امام بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر 1739

[33] Majid Khadduri, The Islamic Conception of Justice, Johns Hopkins University Press, Baltimore, 1984, p. 112

جو سماجی آزادی کی ضمانت دیتا ہے[34]۔ یہ آزادی نبی ﷺ کی زندگی میں عملی تھی جہاں نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت دی گئی اور ان کے مذہبی حقوق محفوظ رکھے گئے۔ یہ ماڈل سماجی سطح پر بھی تھا جہاں قبائلی اور نسلی تفریق ختم کی گئی اور تمام لوگوں کو برابر حقوق دیے گئے۔ پھر یہ آزادی خلفائے راشدین میں بھی جاری رہی جہاں غیر مسلموں کو جزیہ کے عوض مکمل مذہبی اور سماجی تحفظ فراہم کیا گیا۔ یہ نبوی ماڈل آج کے دور میں بھی رہنما ہے کیونکہ یہ مذہبی رواداری، سماجی انصاف اور انسانی وقار کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ مذہبی و سماجی آزادی نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اللہ کی مرضی سے جڑا ہوا تھا۔ اس لیے اس ماڈل کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ جدید ریاستوں میں اس کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ ماڈل مشاورت اور احتساب سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ آزادی عوام کو بھی ذمہ دار بناتی تھی کہ وہ رواداری کی حمایت کریں۔ اس طرح یہ ماڈل ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

7.3 آئینِ پاکستان میں بنیادی حقوق کا باب

آئین پاکستان 1973ء میں بنیادی حقوق کا باب اسلامی اصولوں اور نبوی انسانی حقوق کے ماڈل سے گہرے طور پر متاثر ہے جو حصہ دوم کے باب اول میں آرٹیکل 8 سے 28 تک تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور یہ حقوق زندگی، آزادی، مساوات، مذہبی آزادی، تعلیم، صحت اور انصاف کی ضمانت دیتے ہیں تاکہ ہر شہری کو برابر مواقع اور مکمل تحفظ حاصل ہو۔ یہ باب آئین کی اسلامی روح کو واضح کرتا ہے جو خطبہ حجۃ الوداع اور نبوی ماڈل کی روشنی میں انسانی حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ Hamid Khan نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آئین 1973ء کے بنیادی حقوق کا باب نبوی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے جو مساوات اور آزادی کو مرکزی حیثیت دیتا ہے[35]۔ یہ باب اس لیے اہم ہے کہ آرٹیکل 25 میں قانون کے سامنے مساوات، آرٹیکل 20 میں مذہبی آزادی اور آرٹیکل 9 میں زندگی اور آزادی کے حق کو یقینی بناتا ہے جو نبوی اصولوں کی آئینی عکاسی ہے۔ Sadaf Aziz نے بھی اپنی کتاب میں آئین کے بنیادی حقوق کو اسلامی عدل اور انسانی حقوق کی بنیاد سے جوڑا ہے جو ریاست کی ذمہ داری کو واضح کرتا ہے[36]۔ یہ حقوق آئین میں غیر مسلموں کو بھی مکمل تحفظ دیتے ہیں اور عدالتی نظام کے ذریعے ان کی پاسداری کی جاتی ہے۔ بنیادی حقوق کا یہ باب عوامی اعتماد کو بڑھاتا ہے اور ناانصافی سے بچاتا ہے۔ پھر یہ حقوق اصول پالیسی میں بھی جڑے ہیں جو ریاست کو فلاح اور انصاف کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ باب نبوی انسانی حقوق کی آئینی شکل ہے جو آج کے دور میں بھی انتہائی متعلقہ ہے۔ یہ حقوق مختلف مذاہب اور طبقات کے شہریوں کو بھی آزادی اور مساوات دیتے ہیں جو اسلامی ریاست کی وسعت کی زندہ مثال ہیں۔ پھر یہ مساوات تعلیم، صحت اور معاشی مواقع کے شعبوں میں بھی اطلاق پاتے ہیں۔ یہ اصول تاریخی طور پر پاکستان کی بنیاد سے جڑے ہیں اور آج بھی عملی چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں۔ بنیادی حقوق کا یہ باب آئین کی اسلامی روح کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ نظام مشاورت اور ذمہ داری سے مل کر ایک متوازن ڈھانچہ بناتا ہے جو فلاح کا ضامن ہے۔ پھر بھی عملی تطبیق میں خلا موجود ہے جسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ حقوق حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتے ہیں۔ مساوات کا یہ اصول عوام کو بھی ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ انصاف کی حمایت کریں۔ یہ سب عناصر مل کر آئین کو نبوی ماڈل سے جوڑتے ہیں۔ اس لیے یہ باب پاکستان کے لیے ایک ابدی رہنما ہے جو انسانی حقوق کی بالادستی کو یقینی بناتا ہے۔

8۔ اقلیتوں کے حقوق اور بین المذاہب ہم آہنگی

8.1 میثاقِ مدینہ کا تجزیہ

میثاق مدینہ اسلامی تاریخ کا پہلا تحریری آئین ہے جو نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ میں قائم کیا اور اس نے مسلمانوں اور یہودی قبائل کو ایک سیاسی و سماجی اتحاد میں تبدیل کر دیا تاکہ ریاست کی بنیاد مساوات، باہمی تحفظ اور بین المذاہب ہم آہنگی پر قائم ہو۔ یہ معاہدہ ایک طرف تو مسلمانوں کی وحدت کو مضبوط کرتا تھا اور دوسری طرف غیر مسلموں کو مکمل مذہبی اور سماجی آزادی دیتا تھا جو نبوی طرز حکمرانی کی سب سے بڑی مثال ہے۔ ابن ہشام نے سیرت میں میثاق مدینہ کی مکمل تفصیل بیان کی ہے جو مختلف قبائل

[34] Bernard G. Weiss, The Spirit of Islamic Law, University of Georgia Press, Athens, 1998, p. 156

[35] Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan, Oxford University Press, Karachi, 2012, p. 456

[36] Sadaf Aziz, The Constitution of Pakistan: A Contextual Analysis, Hart Publishing, Oxford, 2018, p. 67

کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے اور یہ نبوی ریاست کی بنیاد تھی[37]۔ یہ تجزیہ اس لیے اہم ہے کہ یہ معاہدہ خونریزی روکنے اور امن قائم کرنے کا ذریعہ بنا۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے بھی ریاستی معاہدوں میں میثاق مدینہ کو مثال قرار دیا ہے جو اقلیتوں کے تحفظ اور باہمی تعاون کو یقینی بناتا تھا[38]۔ یہ معاہدہ غیر مسلموں کو جزیہ کے بدلے تحفظ دیتا تھا اور ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ میثاق نے قبائلی تعصب ختم کیا اور تمام شہریوں کو برابر حقوق دیے۔ یہ تجزیہ آج کے دور میں بھی بین المذاہب ہم آہنگی کا ماڈل ہے کیونکہ یہ رواداری اور انصاف پر مبنی تھا۔ پھر یہ معاہدہ خلفائے راشدین میں بھی رہنما رہا جو نبوی سنت کی پیروی تھی۔ یہ حقوق انسانی کی حفاظت آج بھی عالمی سطح پر رہنما ہیں کیونکہ یہ اخلاقی اقدار کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ میثاق مدینہ نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اللہ کی حاکمیت سے جڑا ہوا تھا۔ اس لیے اس معاہدے کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ اقلیتوں کے حقوق کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ اصول مشاورت اور ذمہ داری سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ حقوق عوام کو بھی ذمہ دار بناتے تھے کہ وہ رواداری کی حمایت کریں۔ اس طرح یہ معاہدہ ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

8.2 غیر مسلم شہریوں کے حقوق

غیر مسلم شہریوں کے حقوق نبوی طرز حکمرانی میں انتہائی محفوظ تھے جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں قائم کیا اور یہ حقوق مذہبی آزادی، جان و مال کی حفاظت اور سماجی مساوات پر مبنی تھے تاکہ غیر مسلم بھی ریاست کے مکمل شہری سمجھے جائیں اور کوئی ظلم نہ ہو۔ یہ ماڈل میثاق مدینہ سے شروع ہوا اور خطبہ حجۃ الوداع تک اس کی توسیع ہوئی جو بین المذاہب ہم آہنگی کی زندہ مثال ہے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں غیر مسلموں کے حقوق کو اسلامی حکمرانی کا لازمی جزو قرار دیا ہے جو ان کی جان و مال اور مذہبی آزادی کی حفاظت کرتا تھا[39]۔ یہ حقوق اس لیے اہم ہیں کہ یہ جاہلیت کے دور کے تعصب کو ختم کرتے ہیں اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیتے ہیں۔ ابن ہشام نے سیرت میں نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدے کی تفصیل بیان کی ہے جو غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی اور تحفظ دیتا تھا[40]۔ یہ حقوق عملی طور پر نبی ﷺ کی زندگی میں نظر آتے تھے جہاں غیر مسلموں کو جزیہ کے بدلے ریاست کی طرف سے حفاظت ملتی تھی۔ یہ ماڈل سماجی سطح پر بھی تھا جہاں قبائلی اور مذہبی امتیاز ختم کیا گیا اور تمام شہریوں کو برابر حقوق دیے گئے۔ پھر یہ حقوق خلفائے راشدین میں بھی جاری رہے جہاں غیر مسلموں کو مکمل سماجی آزادی ملی۔ یہ نبوی ماڈل آج کے دور میں بھی رہنما ہے کیونکہ یہ مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ غیر مسلم شہریوں کے حقوق نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھے جو اللہ کی مرضی سے جڑے ہوئے تھے۔ اس لیے اس ماڈل کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ جدید ریاستوں میں اس کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ ماڈل مشاورت اور احتساب سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ حقوق عوام کو بھی ذمہ دار بناتے تھے کہ وہ رواداری کی حمایت کریں۔ اس طرح یہ ماڈل ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

8.3 آئین 1973 میں اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانتیں

آئین 1973 میں اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانتیں اسلامی اصولوں اور نبوی ماڈل سے گہرے طور پر متاثر ہیں جو آئین کے بنیادی حقوق کے باب میں آرٹیکل 20، 21، 22 اور 36 میں واضح طور پر بیان کی گئی ہیں اور یہ ضمانتیں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی، جان و مال کی حفاظت، مساوی شہریت اور مناسب نمائندگی کا حق دیتی ہیں تاکہ بین المذاہب ہم آہنگی قائم رہے اور کوئی امتیاز یا ظلم نہ ہو۔ یہ ضمانتیں آئین کی اسلامی روح کو ظاہر کرتی ہیں جو میثاق مدینہ کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ Hamid Khan نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آئین 1973ء اقلیتوں کے تحفظ کو بنیادی حقوق کا لازمی حصہ بناتا ہے جو نبوی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے اور آرٹیکل 36 ریاست کو اقلیتوں کے

---

[37] ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2005، جلد 1، ص. 456.

[38] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1994، ص. 78.

[39] تقي الدين احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص. 134.

[40] ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2005، جلد 2، ص. 289.

حقوق کی حفاظت کا حکم دیتا ہے[41]۔ یہ ضمانتیں اس لیے اہم ہیں کہ آرٹیکل 20 مذہبی آزادی کو یقینی بناتا ہے جبکہ آرٹیکل 36 اقلیتوں کی مناسب نمائندگی اور تحفظ کی ضمانت دیتا ہے جو نبوی رواداری کی آئینی عکاسی ہے۔ Sadaf Aziz نے بھی اپنی کتاب میں آئین کے اقلیتوں کے حقوق کو اسلامی عدل اور نبوی ماڈل سے جوڑا ہے جو ریاست کی ذمہ داری کو واضح کرتا ہے[42]۔ یہ ضمانتیں آئین میں عدالتی نظام کے ذریعے نافذ ہوتی ہیں اور غیر مسلموں کو مکمل تحفظ دیتی ہیں۔ اقلیتوں کے یہ حقوق عوامی اعتماد کو بڑھاتے ہیں اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیتے ہیں۔ پھر یہ ضمانتیں اصول پالیسی میں بھی جڑی ہیں جو ریاست کو رواداری اور انصاف کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ ضمانتیں نبوی اقلیتوں کے حقوق کی آئینی شکل ہیں جو آج کے دور میں بھی انتہائی متعلقہ ہیں۔ یہ حقوق مختلف مذاہب کے شہریوں کو بھی آزادی اور مساوات دیتے ہیں جو اسلامی ریاست کی وسعت کی زندہ مثال ہیں۔ پھر یہ مساوات تعلیم، صحت اور معاشی مواقع میں بھی اطلاق پاتے ہیں۔ یہ اصول تاریخی طور پر پاکستان کی بنیاد سے جڑے ہیں اور آج بھی عملی چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں۔ اقلیتوں کے تحفظ کی یہ ضمانتیں آئین کی اسلامی روح کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ نظام مشاورت اور ذمہ داری سے مل کر ایک متوازن ڈھانچہ بناتا ہے جو فلاح کا ضامن ہے۔ پھر بھی عملی تطبیق میں خلا موجود ہے جسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ حقوق حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتے ہیں۔ مساوات کا یہ اصول عوام کو بھی ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ رواداری کی حمایت کریں۔ یہ سب عناصر مل کر آئین کو نبوی ماڈل سے جوڑتے ہیں۔ اس لیے یہ ضمانتیں پاکستان کے لیے ایک ابدی رہنما ہیں جو اقلیتوں کے حقوق کی بالادستی کو یقینی بناتی ہیں۔

9۔ سماجی و معاشی انصاف

9.1 زکوٰۃ و صدقات کا نظام

زکوٰۃ و صدقات کا نظام نبوی طرز حکمرانی میں معاشی انصاف اور سماجی فلاح کا بنیادی ستون ہے جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں نافذ کیا اور یہ نظام غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مدد کے لیے مال کی مخصوص مقدار کو الگ کرنے پر مبنی ہے تاکہ دولت کی گردش ہو اور معاشرے میں امیر و غریب کا فرق کم ہو۔ یہ نظام صرف مالی امداد تک محدود نہیں بلکہ یہ معاشرتی ہم آہنگی اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ بھی ہے جو زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر دولت کی پاکیزگی اور سماجی ذمہ داری کو یقینی بناتا ہے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کو معاشی توازن اور غریبوں کی فلاح کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے جو نبوی دور میں ریاست کی طرف سے منظم طور پر جمع اور تقسیم کی جاتی تھی[43]۔ یہ نظام اس لیے اہم ہے کہ یہ امیر کو غریب کی مدد پر مجبور کرتا ہے اور معاشی استحصال کو روکتا ہے۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے بھی زکوٰۃ کی انتظامیہ کو ریاستی ذمہ داری قرار دیا ہے جو بیت المال کے ذریعے غریبوں تک پہنچائی جاتی تھی اور یہ نبوی ماڈل کی عملی شکل تھی[44]۔ زکوٰۃ کا یہ نظام نبی ﷺ کی زندگی میں عملی تھا جہاں زکوٰۃ جمع کرنے والے مقرر کیے گئے اور اس کی تقسیم مستحقین میں کی جاتی تھی۔ صدقات کا نظام بھی اس کے ساتھ جڑا ہوا تھا جو رضاکارانہ تھا اور غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ یہ دونوں نظام مل کر معاشی انصاف کو یقینی بناتے تھے اور کرپشن سے بچاتے تھے۔ پھر یہ نظام خلفائے راشدین میں بھی جاری رہا جہاں عمر بن خطاب نے زکوٰۃ کی تقسیم کو مزید منظم کیا۔ یہ نظام آج کے دور میں بھی رہنما ہے کیونکہ یہ مالیاتی اخلاقیات کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ زکوٰۃ و صدقات نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اللہ کی مرضی سے جڑا ہوا تھا۔ اس لیے اس نظام کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ جدید ریاستوں میں اس کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ نظام مشاورت اور احتساب سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ نظام عوام کو بھی ذمہ دار بناتا تھا کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں اور غریبوں کی مدد کریں۔ اس طرح یہ نظام ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

---

[41] Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan, Oxford University Press, Karachi, 2012, p. 534

[42] Sadaf Aziz, The Constitution of Pakistan: A Contextual Analysis, Hart Publishing, Oxford, 2018, p. 134

[43] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.142

[44] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1994، ص.168

9.2 معاشی توازن اور استحصال کی ممانعت

معاشی توازن اور استحصال کی ممانعت نبوی طرز حکمرانی میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے جو نبی کریم ﷺ نے قرآن وسنت کی روشنی میں قائم کیا اور یہ اصول سود، دھوکہ دہی اور ناپ تول میں کمی کو حرام قرار دے کر دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتا تھا تاکہ امیر غریب کا فرق نہ بڑھے اور معاشرے میں امن قائم رہے۔ یہ اصول معاشی انصاف کی بنیاد ہے جو زکوٰۃ کے ساتھ مل کر غربت کو کم کرتا ہے اور استحصال کو جڑ سے ختم کرتا ہے۔ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں معاشی توازن کو اسلامی حکمرانی کا لازمی جزو قرار دیا ہے جو سود اور استحصال کی ممانعت سے حاصل ہوتا ہے اور نبوی دور میں یہ اصول سخت نافذ تھا[45]۔ یہ اصول اس لیے اہم ہے کہ یہ امیر کو غریب کے استحصال سے روکتا ہے اور معاشی ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے بھی معاشی توازن کو ریاستی ذمہ داری قرار دیا ہے جو بیت المال اور زکوٰۃ کی تقسیم سے حاصل ہوتا تھا اور استحصال کی روک تھام کرتا تھا[46]۔ یہ اصول نبی ﷺ کی زندگی میں عملی تھا جہاں سود کی ممانعت کی گئی اور ناپ تول میں انصاف کا حکم دیا گیا۔ معاشی توازن نے غریبوں کو تحفظ دیا اور امیر کو ذمہ دار بنایا۔ یہ نظام خلفائے راشدین میں بھی جاری رہا جہاں خلیفہ معاشی انصاف کی پاسداری کرتے تھے۔ یہ اصول آج کے دور میں بھی رہنما ہے کیونکہ یہ معاشی اخلاقیات کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب عناصر مل کر ایک متوازن نظام بناتے ہیں جو فلاح عامہ کا ضامن ہے۔ معاشی توازن نبوی طرز حکمرانی کا اہم حصہ تھا جو اللہ کی مرضی سے جڑا ہوا تھا۔ اس لیے اس اصول کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ جدید ریاستوں میں اس کی تطبیق ممکن ہو۔ یہ اصول مشاورت اور احتساب سے تقویت پاتا تھا جو فیصلوں کو درست بناتا تھا۔ پھر بھی اس کی عملی شکل نے اسلامی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ توازن عوام کو بھی ذمہ دار بناتا تھا کہ وہ استحصال کی مخالفت کریں۔ اس طرح یہ اصول ایک مکمل فلسفہ تھا جو حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتا تھا۔

9.3 آئینی اصولِ پالیسی اور فلاحی ریاست کا تصور

آئینی اصولِ پالیسی اور فلاحی ریاست کا تصور پاکستان کے آئین 1973ء میں موجود ہے جو نبوی معاشی انصاف، زکوٰۃ اور معاشی توازن کے نظام سے گہرے طور پر متاثر ہے اور یہ اصول حصہ دوم کے باب دوم میں آرٹیکل 29 سے 40 تک تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جو ریاست کو فلاحی خدمات، غریبوں کی فلاح، معاشی توازن اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کی طرف لے جاتے ہیں تاکہ ہر شہری کو مساوی مواقع اور سماجی انصاف میسر ہو۔ یہ اصول آئین کی اسلامی روح کو ظاہر کرتے ہیں جو نبوی ماڈل کی روشنی میں فلاحی ریاست کی بنیاد رکھتے ہیں۔ Hamid Khan نے اپنی کتاب میں آئین کے اصول پالیسی کو فلاحی ریاست کا بنیادی ڈھانچہ قرار دیا ہے جو معاشی انصاف اور غریبوں کی فلاح کو یقینی بناتا ہے اور نبوی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے[47]۔ یہ اصول اس لیے اہم ہیں کہ آرٹیکل 38 معاشی انصاف اور غریبوں کی فلاح کا حکم دیتا ہے جبکہ آرٹیکل 37 صحت اور تعلیم کی فراہمی کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیتا ہے جو نبوی فلاحی ماڈل کی آئینی عکاسی ہے۔ Sadaf Aziz نے بھی اپنی کتاب میں فلاحی ریاست کے تصور کو آئین کی اسلامی اقدار سے جوڑا ہے جو زکوٰۃ اور معاشی توازن کی روشنی میں غربت کا خاتمہ کرتا ہے[48]۔ یہ اصول آئین میں پارلیمانی اور عدالتی نگرانی کے تحت نافذ ہوتے ہیں اور فلاحی ریاست کو عملی شکل دیتے ہیں۔ فلاحی ریاست کا یہ تصور عوامی اعتماد کو بڑھاتا ہے اور معاشی استحصال سے بچاتا ہے۔ پھر یہ اصول زکوٰۃ اور صدقات کی تقسیم میں بھی جڑے ہیں جو ریاست کو فلاح کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ باب نبوی فلاحی ریاست کی آئینی شکل ہے جو آج کے دور میں بھی انتہائی متعلقہ ہے۔ یہ اصول مختلف طبقات کے شہریوں کو بھی فلاح اور انصاف دیتے ہیں جو اسلامی ریاست کی وسعت کی زندہ مثال ہیں۔ پھر یہ معاشی توازن تعلیم، صحت اور روزگار کے شعبوں میں بھی اطلاق پاتا ہے۔ یہ اصول تاریخی طور پر پاکستان کی بنیاد سے جڑے ہیں اور آج بھی عملی چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں۔ آئینی اصولِ پالیسی آئین کی اسلامی روح کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ نظام مشاورت اور ذمہ داری سے مل کر ایک متوازن ڈھانچہ بناتا ہے جو فلاح کا ضامن ہے۔ پھر بھی عملی تطبیق میں خلا موجود ہے جسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ اصول حکمرانی کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑتے ہیں۔

[45] تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی، القاہرہ، 1951، ص.89

[46] ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1994، ص.186

[47] Hamid Khan, Constitutional and Political History of Pakistan, Oxford University Press, Karachi, 2012, p. 612

[48] Sadaf Aziz, The Constitution of Pakistan: A Contextual Analysis, Hart Publishing, Oxford, 2018, p. 156

انصاف کا یہ اصول عوام کو بھی ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ فلاحی ریاست کی حمایت کریں۔ یہ سب عناصر مل کر آئین کو نبوی ماڈل سے جوڑتے ہیں۔ اس لیے یہ اصول پاکستان کے لیے ایک ابدی رہنما ہیں جو فلاحی ریاست کی بالادستی کو یقینی بناتے ہیں۔

10۔ تقابلی تجزیہ اور عملی تطبیق کے امکانات

10.1 نبوی اصول اور آئینی دفعات کا تقابلی جائزہ

نبوی اصول اور آئین 1973 کی دفعات کا تقابلی جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آئین کا دیباچہ اور متعدد آرٹیکلز جیسے آرٹیکل 2، A2، 25، 31 اور 227 نبوی طرز حکمرانی کی حاکمیت الٰہی، عدل و انصاف، مشاورت، امانت اور فلاحی ریاست کے بنیادی اصولوں سے گہری ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر نبوی عدل کی بالادستی آئین کے آرٹیکل 25 میں قانون کی مساوات کی شکل میں موجود ہے جبکہ مشاورت کا نبوی تصور پارلیمانی نظام اور آرٹیکل 50 کے ذریعے عملی شکل اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح نبوی امانت اور شفافیت کے اصول آئین کے آرٹیکل 19 A اور احتسابی اداروں میں نظر آتے ہیں جو کرپشن کی روک تھام کرتے ہیں۔ زکوٰۃ اور معاشی توازن کا نبوی نظام آئین کے اصول پالیسی میں فلاحی ریاست کے آرٹیکل 38 اور 39 کے طور پر موجود ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبوی اصول مکمل طور پر نافذ تھے جبکہ آئین میں عملی تطبیق ابھی جزوی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق میں میثاق مدینہ کا نبوی ماڈل آئین کے آرٹیکل 20 اور 36 سے ملتا ہے جو مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ تقابلی جائزہ بتاتا ہے کہ آئین نے نبوی اصولوں کو اپنایا ہے مگر ان کی مکمل روح کو عملی شکل دینے میں ابھی خلا موجود ہے۔ اس طرح یہ مطالعہ دکھاتا ہے کہ نبوی ماڈل آئین کو مزید اسلامی اور فلاحی بنانے کا بہترین رہنما ہے۔ اگر دونوں کو باہم مربوط کیا جائے تو حکمرانی میں شفافیت اور انصاف کی سطح بلند ہو سکتی ہے۔ یہ جائزہ تحقیق کا مرکزی نقطہ ہے جو مستقبل کی اصلاح کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

10.2 موجودہ عملی چیلنجز

موجودہ عملی چیلنجز یہ ہیں کہ نبوی اصولوں کی آئینی تطبیق میں بہت سی رکاوٹیں موجود ہیں جن کی وجہ سے پاکستان میں حکمرانی کی اسلامی روح کمزور پڑ رہی ہے۔ سب سے بڑا چیلنج کرپشن اور احتساب کا ناکافی نظام ہے جو نبوی امانت اور شفافیت کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے اور عوامی اعتماد کو متاثر کرتا ہے۔ معاشی توازن کا نبوی تصور زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعے تھا مگر آج غربت، بے روزگاری اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اس اصول کی تطبیق کو روک رہی ہے۔ مشاورت کا نبوی ماڈل پارلیمنٹ میں موجود ہے مگر سیاسی انتشار، ذاتی مفادات اور اداروں کے درمیان ٹکراؤ اسے کمزور کر دیتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق میں آئینی ضمانتیں موجود ہیں مگر سماجی تعصب اور فرقہ وارانہ تشدد نبوی رواداری کی عملی شکل کو متاثر کرتے ہیں۔ عدل کی بالادستی کا نبوی اصول عدالتوں میں موجود ہے مگر تاخیری کارروائی اور سیاسی مداخلت انصاف کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ فلاحی ریاست کا تصور آئین میں ہے مگر عملی طور پر تعلیم، صحت اور روزگار کی کمی اسے خواب بنا رہی ہے۔ یہ چیلنجز مجموعی طور پر حکمرانی کو نبوی اسوہ سے دور لے جا رہے ہیں اور عوامی فلاح میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ اگر ان چیلنجز کا سامنا نہ کیا گیا تو آئین کی اسلامی شناخت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ یہ صورتحال تحقیق کو اصلاحی راستہ دکھاتی ہے۔

10.3 اصلاحی تجاویز اور سفارشات

اصلاحی تجاویز اور سفارشات یہ ہیں کہ نبوی اصولوں کو آئین کی عملی تطبیق میں مکمل طور پر نافذ کیا جائے تاکہ پاکستان ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست بن سکے۔ سب سے پہلے احتسابی اداروں کو مضبوط کر کے نبوی احتساب کا نظام نافذ کیا جائے تاکہ کرپشن کا خاتمہ ہو اور شفافیت یقینی بنے۔ معاشی توازن کے لیے زکوٰۃ اور صدقات کا موثر نظام قائم کیا جائے جو بیت المال کی طرح غریبوں تک براہ راست پہنچے اور غربت کا خاتمہ ہو۔ مشاورت کو پارلیمنٹ اور کابینہ میں نبوی طرز پر نافذ کر کے سیاسی فیصلوں میں عوامی شرکت بڑھائی جائے۔ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے سماجی شعور پیدا کیا جائے اور میثاق مدینہ کی روشنی میں بین المذاہب ہم آہنگی کے پروگرام شروع کیے جائیں۔ عدل کی بالادستی کے لیے عدالتی اصلاحات لائی جائیں تاکہ مقدمات کی تاخیر ختم ہو۔ فلاحی ریاست کے آرٹیکلز کو عملی شکل دینے کے لیے تعلیم اور صحت کے شعبوں میں بجٹ بڑھایا جائے اور نبوی فلاحی ماڈل پر پالیسیاں بنائی جائیں۔ علما اور ماہرین پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو آئین کی اسلامی دفعات کی نگرانی کرے۔ یہ سفارشات اگر نافذ ہوئیں تو پاکستان نبوی اصولوں کا عملی نمونہ بن سکتا ہے۔ یہ تجاویز تحقیق کا نتیجہ ہیں جو حکمرانی کو بہتر بنانے کا راستہ دکھاتی ہیں۔